

دوراستے

مائل خیر آبادی

نیو کر یسٹنٹ پبلشنگ کمپنی

۲۰۳۵ / قاسم جان اسٹریٹ، بلی ماران، دہلی ۶

دوراستے ۳
موت ۲۷

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

1985	اشاعت اول
2010	اشاعت نو
Rs. 12/=.....	قیمت

ناشر

نیو کر لیسنٹ پبلشنگ کمپنی

۲۰۳۵/قاسم جان اسٹریٹ، بلی ماران، دہلی-۶

فون: 011-23262545, 65363445

دوراستے

شوکت کی عمر ۱۲ سال کی ہو چکی تھی۔ اس کے چھوٹے بھائی رحمت کی عمر ۱۱ سال کی تھی۔ وہ ایک غریب باپ کے بیٹے تھے۔ والدین یعنی ماں باپ غریب تو تھے مگر کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاتے۔ دن بھر محنت کر کے مزدوری سے جو کچھ کماتے صبر و شکر کے ساتھ کھاتے پیتے اور زندگی کے دن کاٹتے، شوکت اور رحمت کو انھوں نے ایک مکتب میں داخل کر دیا تھا۔ اس مکتب میں درجہ ۵ تک پڑھایا جاتا تھا۔ یہ دونوں بچے روزانہ قرآن کی تلاوت کرتے۔ نماز پڑھتے صاف ستھرے رہتے۔ ہمیشہ سچ بولتے اور جب موقع ملتا، مجبوروں کے کام آتے۔ لوگ ان دونوں کو بہت نیک سمجھتے تھے۔ والدین بھی ان سے بہت خوش تھے۔

دونوں نے ایک ساتھ مکتب کی تعلیم ختم کی۔ دونوں بڑے محنتی تھے۔ مکتب میں اچھے نمبروں سے پاس ہوئے۔ لوگوں نے رائے دی کہ انھیں شہر میں پڑھنے کے لئے بھیج دیا جائے۔ والدین یہ سوچ رہے تھے۔ شہر کا خرچ وہ کیسے برداشت کر سکیں گے؟ انھیں یہ بھی ڈر تھا کہ شہر میں جا کر بچوں کی عادتیں خراب ہو جائیں گی۔ وہاں دوسروں کی دیکھا دیکھی کھیل تماشوں میں پڑ جائیں گے۔ بڑے لڑکوں میں پڑ گئے تو یہی اچھے لڑکے بڑے بن جائیں گے۔

یہ ساری باتیں سوچ کر شوکت کے والدین نے طے کیا کہ ان کی پڑھائی ختم کر دی جائے اور ان کو کوئی ہنر سکھایا جائے یا تجارت کرائی جائے۔ اُن کا خیال تھا کہ جہاں تک اسلام کی تعلیم، یعنی بنیادی عقیدوں کی بات ہے، دونوں مکتب میں پڑھ چکے۔ اب اگر انھیں یاد رکھیں گے اور انہی کے مطابق اپنی زندگی گذاریں گے تو ایک اچھے انسان اور پکے مسلمان بنے رہیں گے۔

اب سنئے۔ یہاں والدین نے یہ طے کیا۔ وہاں شہر میں بچوں کی خالہ رہتی تھیں۔ وہ اچھی خاصی مالدار اور کھاتی پیتی تھیں۔ ان کے شوہر ایک کارخانے میں کام کرتے تھے اور تنخواہ تین سو روپے مہینہ تھی۔ اس تنخواہ کے علاوہ پچیس بیگھہ زمین تھی۔ اس زمین سے انھیں بڑی آمدنی تھی۔ غلہ انھیں خریدنا نہیں پڑتا تھا بلکہ اتنا پیدا ہوتا کہ گھر کا زیادہ تر خرچ اسے بیچ کر پورا کر لیا جاتا۔ تنخواہ میں سے دو ڈھائی سو روپیہ ہر مہینہ بیچ جاتے۔ کھانے والے تین آدمی تھے۔ ایک خالہ دوسرے ان کے شوہر تیسری ان کی بچی۔ خالہ نے سنا کہ غریبی کی وجہ سے شوکت اور رحمت کی تعلیم رُک گئی تو وہ اپنی بہن اور بہنوئی سے آکر ملیں۔ بولیں ”جہاں تک پڑھائی کے لئے خرچ کی بات ہے تو اللہ کا دیا ہمارے گھر بہت ہے۔ بچوں کے خالو اتنا کما لیتے ہیں کہ شوکت اور رحمت کیا ایسے ایسے دو اور بچوں کا خرچ اٹھا سکتے ہیں تو بہن خرچ کے ڈر سے پڑھائی بند نہ کرو۔“

بڑی بہن کی یہ باتیں سنیں تو شوکت کے والدین نے انھیں بڑی دعائیں دیں۔ لیکن شہر بھیجنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ انھوں نے اندیشہ ظاہر کیا کہ شہر میں لڑکے بڑی صحبتوں میں پڑ کر خراب ہو جائیں گے۔ خالہ نے اس کی بھی ذمہ داری لی کہ بچوں کی دیکھ بھال اچھی طرح ہوگی اور وہ بگڑنے نہیں پائیں گے۔

اسی طرح دن بھر باتیں ہوتی رہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک لڑکے کے بارے میں سمجھوتہ ہو گیا کہ اُسے لے جا سکتی ہیں۔ خالہ شوکت کو لے کر شہر چلی گئیں۔ رحمت گھر پر رہ گیا۔ شہر پہنچ کر خالہ نے شوکت کو ایک سرکاری اسکول میں داخل کر دیا اور یہاں رحمت کو والدین نے گھر ہی پر دس بیس روپیہ کا سامان لاکر دیا اور کہا۔ ”لو بیٹا! اسے بیچو اللہ برکت دے گا۔“

رحمت گھر ہی پر چھوٹی چھوٹی چیزیں بیچنے لگا۔

ماں باپ اسے بتاتے جاتے کہ دیا سلوائی اتنے پیسوں کی بیچو۔ سوئی دھاگے اس حساب سے اور صابن اس حساب سے۔ رحمت سیدھی سادی طرح سودا لانے اور بیچنے لگا۔

شوکت کو اپنی خالہ کی نگرانی میں پڑھتے ہوئے ایک سال ہو گیا۔ سال بھر کے عرصے میں وہ تین بار اپنے گھر آیا۔ جس وقت وہ اپنے گاؤں میں پڑھتا تھا، محنت کرنے کا عادی تھا۔ اس نے سال بھر خوب محنت کی۔ سالانہ امتحان ہوا تو وہ اول

نمبر پاس ہوا۔ اس کی خالہ بہت خوش ہوئیں۔ سال بھر کے بعد جب وہ گھر آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کا بھائی رحمت گھر پر ایک چھوٹی سی دکان پر چھوٹے چھوٹے سودے بیچ رہا ہے۔ اس نے والدین سے کہا۔ ”اگر رحمت کو بھی خالہ جان کے یہاں بھیج دیا جاتا تو وہ بھی وہاں پڑھتا۔ ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کے بیچنے میں کیا دھرا ہے۔ وہاں پڑھ کر کوئی سند لے لیتا تو سوڈیڑھ سو کی نوکری کہیں نہیں گئی۔

والدین نے شوکت کی یہ بات سنی تو انہوں نے کہا۔ ”بیٹا! کیا تم اس لئے پڑھتے ہو کہ پڑھنے کے بعد نوکری کرو؟“ شوکت نے جواب دیا۔ ”ابا جان! سارے لڑکے اسی لئے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔“

ماں باپ یہ سن کر چپ ہو گئے۔ انہوں نے اتنا تو کہا کہ تعلیم تو اس لئے حاصل کی جاتی ہے کہ انسان انسان بنے، اپنے کو پہچانے، اپنے اصل مالک کو پہچانے، نیکی اور بدی کو پہچانے، نہ کہ اس لئے پڑھے کہ سند حاصل کر کے دوسروں کی نوکری کرتا پھرے۔

اس کے بعد شوکت کے والدین نے دیکھا کہ شوکت کی نمازیں گنڈے دار ہونے لگیں۔ کسی وقت کی پڑھتا ہے، کسی وقت کی نماز نہیں پڑھتا۔ پھر ایک دن یہ بھی دیکھا گیا کہ رحمت کی دکان پر مٹی کا تیل نہیں تھا اور اسی وقت گا ہک بھی زیادہ آگئے۔ رحمت نے شوکت سے کہا۔ ”بھائی جان! بازار سے ایک پیپا

تیل لے آئیے۔“

اس بات کا جو جواب اب شوکت نے دیا، اس سے والدین دنگ رہ گئے۔ اس نے کہا۔ ”میں یہ چھوٹے چھوٹے کام کرنے کے لئے نہیں پیدا ہوا ہوں، میں پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بنوں گا۔“

دوسرے سال شوکت پھر خالہ کے یہاں چلا گیا۔ شوکت کے والدین نے خالہ کو لکھ دیا کہ شوکت نے امتحان تو اول نمبر میں پاس کیا ہے۔ لیکن اس کے خیالات بگڑنا شروع ہو گئے۔ نمازیں بھی گنڈے دار ہو گئیں۔ اگر یہی حال رہا تو اس سال نماز پڑھنا تو وہ چھوڑ دے گا۔ اگر اس نے نماز پڑھنا چھوڑ دی تو وہ بُرائیوں کی طرف بڑھے گا اور پھر بُرائیوں میں پڑ کر تعلیم بھی حاصل نہ کر سکے گا۔

یہ خط خالہ نے پڑھا۔ لیکن انھوں نے زیادہ پروا نہ کی۔ کچھ یوں ہی شوکت کو سمجھا دیا۔ شوکت نے شہر کے لڑکوں میں پڑ کر پہلے تو نماز چھوڑ دی اس کے بعد کھیل تماشوں میں پڑ گیا۔ سینما دیکھنے جانے لگا۔ اب پڑھائی میں بھی کمی آنے لگی، تو پڑھنے میں کمزور ہونے لگا۔ چھ ماہی امتحان میں ایک غریب لڑکا حمید اس سے نمبر لے گیا۔ شوکت دوم نمبر پر کامیاب ہوا۔ حمید اول نمبر۔ پھر جب سالانہ امتحان ہوا تو شوکت سوم نمبر میں پاس ہوا تو کئی لڑکے اس سے نمبر لے گئے۔

دوسرے سال جب وہ گھر آیا تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ شرٹ اور پتلون پہنے

تھا۔ اس کے سر پر انگریزی بال تھے اور مانگ نکلی ہوئی تھی۔ نماز اس نے بالکل ہی چھوڑ دی تھی۔ والدین نے پوچھا:

”بیٹا! اس سال کس نمبر میں پاس ہوئے ہو؟“

”اس نے کسی قدر شرماتے ہوئے کہا۔ ”نمبر و ممبر کیا، بس پاس ہو گیا۔“

والدین سن کر چپ ہو گئے۔

رحمت برابر دکان داری کئے جا رہا تھا۔ نمازیں وقت پر پڑھتا۔ دو سال میں وہ دکان داری کے ڈھب بہت کچھ سیکھ چکا تھا۔ وہ بہت کم نفع پر سودا بیچتا رہا۔ بے ایمانی سے ہمیشہ بچتا رہا۔ محلے میں سارے ہی لوگ اس سے سودا لیتے اور سب اس سے خوش تھے۔ رحمت کی دکان پر سال دو سال میں اتنا ہوسکا کہ سوڈیڑھ سو کا سامان ہر وقت رہتا تھا۔ گاؤں کے سبھی لوگ اس سے خوش تھے۔

تیسرے سال شوکت بڑی چھٹیوں میں گھر آیا۔ تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ بالکل بدل چکا تھا۔ نماز تو اس کی پچھلے سال ہی چھوٹ چکی تھی۔ نماز چھوڑنے سے اس کی اچھی باتیں بھی دھیرے دھیرے ختم ہو گئیں اور ان کی جگہ بُری باتوں نے لے لی۔

پہلے وہ سیدھا سادا، بھولا بھالا اور بڑا تہذیب دار لڑکا تھا۔ ملنے والوں کو

پہلے سلام کرتا، اب وہ بڑا مغرور اور شریر ہو گیا۔ سلام کرنے کے بدلے وہ دوسروں سے شرارتیں کرتا۔ سیدھے سادھے بچوں کا مذاق اڑاتا۔ ایک دن تو اس نے غضب ہی کر دیا۔ مغرب کا وقت تھا۔ اس نے کیلے کے چھلکے راستے میں ڈال دیئے۔ مغرب کے بعد کئی نمازی ادھر سے نکلے۔ چھلکوں پر ان کے پاؤں پڑے اور وہ گرتے گرتے بچے۔ شوکت یہ تماشا دیکھ دیکھ کر ہنستا۔

اب آئے اس کے ابا۔ ان کا پاؤں بھی چھلکوں پر پڑا۔ وہ پھسلے سنبھل نہ سکے اور اچانک گر پڑے۔ شوکت نے باپ کو گرتے دیکھا۔ اس سے یہ تو نہ ہوا کہ دوڑ کر باپ کو اٹھاتا۔ الٹے ہنسنے لگا۔ اس کا چھوٹا بھائی مسجد سے آ رہا تھا۔ اس نے بڑھ کر باپ کو اٹھایا اور سہارا دے کر گھرایا۔ باپ کی کمر میں جھٹکا آ گیا تھا۔ بے چارے کئی دن بے چین رہے۔ شوکت کا دل کچھ بھی نہ پیسجا۔ ہاں رحمت ایسا تھا جو اپنی دکان کا ہرج کر کے باپ کی کمر میں تیل بھی ملتا اور سینکتا بھی۔

شوکت ڈیڑھ مہینہ گھر پر رہا۔ وہ دن بھر آوارہ لڑکوں کو لئے باغوں اور تالابوں کی سیر کرتا رہا۔ چھٹی گزار کر جس دن وہ اپنی خالہ کے یہاں گیا۔ اسی دن شام کو رحمت۔ نہ باپ سے کہا۔ ”دکان سے سو روپیوں کی گڈی غائب ہے۔“ وہ اور باپ دونوں سمجھ گئے کہ چرانے والا شوکت کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟ دونوں شہر پہنچے۔ شوکت سے ملے اس کو لاکھ سمجھایا بھجایا۔ لیکن وہ انکار ہی

کرتا رہا کہ میں نے نہیں لئے۔

رحمت باپ کے ساتھ بہت ہی اداس اداس واپس آیا۔ اس کے لئے سو روپیوں کی یہ چوٹ بہت بڑی چوٹ تھی۔ اس نے تین برسوں میں جو کچھ کمایا تھا وہ چور لے گیا۔ دو تین دن تک بڑا رنج رہا۔ پھر اس نے اپنے دل کو سمجھایا، اللہ کی مرضی یہی تھی اور اس میں کچھ نہ کچھ بہتری ہی ہوگی۔

رحمت نے ان سو روپیوں کے بارے میں سوچا تھا کہ شہر جائے گا، اور سو روپے کا مال لائے گا۔ اس طرح گاؤں والوں کو اور زیادہ سستا مال مل سکے گا۔ سو روپیوں کے گم ہو جانے سے اس کے دل کا ارمان دل ہی میں رہ گیا۔ اس نے گاؤں کے کچھ لوگوں سے کہہ رکھا تھا کہ جمعہ کو شہر جاؤں گا۔ جمعہ کی نماز بھی وہاں پڑھوں گا اور سامان لاؤں گا۔ اگر آپ کچھ سامان منگانا چاہیں تو لیتا آؤں۔ لوگوں نے اس سے بتایا تھا کہ وہ ضرور سامان منگائیں گے۔

جمعہ کا دن آیا تو رحمان چاچا نے اُسے بلایا۔ اُسے پچیس روپے دیئے اور کہا کہ ہمارا سامان لیتے آنا۔ سامان کا پرچہ یہ ہے۔ لو، رحمت نے کہا۔ ”چاچا! اب میں شہر نہیں جاؤں گا۔“

”کیوں؟“ رحمان چاچا نے پوچھا تو بتایا کہ روپے چوری ہو گئے۔ رحمان چاچا افسوس کرنے لگے۔

رحمت وہاں سے گھر آ رہا تھا کہ راستے میں رسول بھائی ملے۔ انھوں نے کہا۔ ”میاں رحمت! میں تو تمہارے ہی پاس جا رہا تھا۔ بھیا! یہ لو بیس روپے شہر سے کچھ کپڑا لیتے آنا۔ وہاں بہت سستا ملے گا۔“

رحمت نے جواب دیا۔ ”اب میں شہر نہیں جاؤں گا۔“

”کیوں؟“ رسول بھائی نے پوچھا تو بتایا کہ روپے چوری ہو گئے۔

رسول بھائی افسوس کرنے لگے۔ ان کو سلام کر کے رحمت آگے چلا تو مکھیا کا آدمی ملا۔ وہ مکھیا کے پاس بلا لے گیا۔ مکھیا نے کہا۔

”رحمت میاں! تم بڑے محنتی اور ایمان دار لڑکے ہو۔ سنا ہے آج تم شہر جا رہے ہو۔ سو روپے کا ہمارا سودا بھی لیتے آنا اور دیکھو سو روپے کا سودا خریدنے میں تمہارا وقت لگے گا تم کو محنت کرنا پڑے گا۔ تم دو روپے اس میں سے اپنی محنت کے (بطور کمیشن) لے لینا باقی جو کرا یہ بھاڑا ہو گا وہ آدھا لگ سے لے لینا۔“

رحمت نے کہا۔ ”بابا! اب میں شہر نہیں جاؤں گا۔“

”کیوں؟“ مکھیا نے پوچھا تو بتایا کہ میرے سو روپے چوری ہو گئے۔

”ارے میاں! یہ کیا غضب ہوا۔ میں نے آج کے لئے بڑی ضروری

ضروری چیزیں منگانے کے لئے لکھ رکھی تھیں۔ اب کیا ہو؟“

مکھیا سوچ میں پڑ گئے۔ رحمت نے انھیں بتایا کہ ”رسول بھائی اور

رحمان چاچا بھی کچھ سامان منگانے والے تھے۔ ان بے چاروں کا سامان
آنے سے رہ گیا۔“

”ان کا کتنے کا سامان تھا؟“

”پچیس کا رحمان چاچا کا اور بیس کا رسول بھائی کا یعنی ۴۵ روپے کا۔“

”رحمت میاں! جاؤ ذرا دونوں کو میرے پاس بلا تو لاؤ میری سمجھ میں ایک

بات آرہی ہے۔ ان سے کہوں گا۔“

رحمت جا کر دونوں کو بلا لایا۔ لکھیا نے ان سے کہا کہ رحمت نہایت ایمان

دار اور محنتی لڑکا ہے۔ ہم آپ لوگ مل کر کیوں نہ ایسا کریں کہ ۵ پیسے فی روپیہ

اس کا کمیشن مقرر کر دیں اور کرایہ بھاڑ ابھی دے دیں۔ اور رحمت ہمارا سامان

ہر مہینے شہر سے لا دیا کرے۔ کمیشن اور کرایہ بھاڑ ادینے کے بعد ہمیں ایک

روپیہ پر زیادہ سے زیادہ سات آٹھ پیسے دینا پڑیں گے۔ گاؤں کے دکان دار تو

سوائے اور ڈیوڑھے منافع پر بیچتے ہیں۔“

یہ بات سب کی سمجھ میں آگئی۔ رحمت نے کہا۔ ”میں ابا سے پوچھ لوں۔

رحمت نے باپ سے جا کر پوچھا۔ تو دو ایک اور بڑے بوڑھوں سے مشورہ

ہوا۔ سب نے یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ بچہ ہے۔ روپیہ ادھر ادھر نہ ہو جائے۔ پھر

سب نے رحمت سے پوچھا تو رحمت تیار ہو گیا اور پھر اس کے تیار ہونے پر

سب نے رحمت کو اجازت دے دی۔

یہ بات گاؤں بھر میں مشہور ہو گئی تو دو تین اور بڑے بڑے آدمیوں نے دس دس بیس بیس روپے دیئے کہ بھئی! ہمارا بھی سامان لیتے آنا۔ جس وقت رحمت شہر کو روانہ ہو رہا تھا۔ اُس وقت اس کے پاس گاؤں والوں کے دو سو روپے سے زیادہ جمع ہو گئے تھے۔

رحمت نے باپ سے کہا۔ ”ابا! پہلا پہلا معاملہ ہے۔ آپ بھی ساتھ ساتھ چلے چلئے۔“ اس کے ابا بھی یہی سوچ رہے تھے۔ وہ ساتھ گئے۔ رحمت نے بازار میں گھوم پھر کر سامان خریدا۔ دیکھ بھال کراچھے سے اچھا سامان لیا۔ اب اس کی آنکھیں کھل گئیں کہ بنئے یہاں سے سامان لے جا کر گاؤں والوں کو کتنا مہنگا دیتے ہیں۔ اس نے حساب لگایا تو اُسے معلوم ہوا کہ ایک روپیہ کا ڈیڑھ روپیہ بلکہ دو تک بناتے ہیں۔

دو سو روپے کا سامان لے جا کر اس نے مکھیا کے سامنے رکھا اور کمیشن اور بھاڑ انکال کر دیا تو ان کی بھی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ”اتنا سستا؟“ ان کی زبان سے نکلا، جن لوگوں کا سامان تھا انھیں دیا گیا۔ وہ بھی بہت خوش ہوئے اور اسی جگہ یہ طے کر لیا گیا کہ رحمت کو ہر پندرہ دن کے بعد شہر بھیج کر اسی طرح سامان منگا لیا جائے گا۔ رحمت خوش تھا کہ شہر کی سیر بھی کی، بازار کا

بھاؤ بھی دیکھا اور دس روپے کمیشن کے مل گئے۔

اب پندرہ دن کے بعد رحمت بازار جانے لگا تو اور کچھ لوگ بھی سامان منگانے لگے۔

رحمت نہایت ایمانداری کے ساتھ سودالا کر دینے لگا۔ دوسرے ہی مہینے وہ ہر پندرہ دن کے بعد دو تین سو کا مال شہر سے لاتا اور دس پندرہ روپے ہر پھیرے میں اُسے کمیشن کے مل جاتے۔

شہر کے بیوپاریوں نے بار بار رحمت کو آتے دیکھا اور اُسے ایماندار سمجھا تو انھوں نے اُسے رائے دی کہ ہم سے سودا سوکا ادھار مال لے جایا کرو، بیچ کر پیسے دے دیا کرو۔ پہلے تو رحمت اس کے لئے تیار نہیں ہوا۔ لیکن پھر جب اس نے باپ سے مشورہ کیا اور دیکھا کہ دکان میں مال نہیں ہے تو وہ شہر سے ادھار مال لانے لگا۔ پندرہ دن میں جتنا مال بکتا اس کے دام بیوپاریوں کو دے آتا۔ اس طرح کی دکان میں سامان بڑھنے لگا۔ اب کمیشن میں اس کو پچاس ساٹھ روپے مل جایا کرتے تھے۔ اس طرح اس کی دکان پھر دھیرے دھیرے چمک اُٹھی۔ سال بھر کی کوشش میں اب اس کی دکان پر ادھار اور نقد کا ایک ہزار کا مال تھا اور گاؤں والوں کو ہر قسم کا مال اس کے یہاں سے مل جایا کرتا تھا۔ رحمت نے اللہ کا شکر ادا کیا اور نہایت خاموشی، ایمانداری اور محنت

کے ساتھ دکان داری میں لگا رہا۔

سچی بات یہ تھی کہ اپنے بھائی کے سو روپے شوکت ہی چُرالے گیا تھا۔ یہ سو روپے شوکت کے پاس زیادہ دنوں تک نہیں رہے۔

ایک ہفتہ ہی میں اس نے خرچ کر ڈالے۔ ”مالِ غنیمت دل بے درد“ والی مثال کا مطلب ہی یہی ہے کہ جو مال محنت کے بغیر ہاتھ آتا ہے وہ بڑی بے دردی سے خرچ بھی ہو جاتا ہے۔ شوکت نے ایسا ہی کیا۔ روپیہ دیکھ کر کئی بُرے لڑکے اس کے دوست ہو گئے۔ ان لڑکوں کے ساتھ اس نے دن میں دو دو بار سینما دیکھا۔ خوب چاٹ اُڑائی، آئس کریم کھائی۔ ایک پورا ہفتہ شوکت نے آدھی رات تک سینما دیکھا اور دن بھر پیٹ میں آلم غلم ڈالتا رہا۔ ان دنوں وہ ٹھیک سے سو بھی نہ سکا اور اس طرح اس کا ہاضمہ خراب ہو گیا۔ اسکول میں پڑھ بھی نہ سکا۔ رات کے جاگنے سے اس کو اسکول میں نیند آتی، استاد ڈانٹتے۔ مگر ان کے ڈانٹنے سے کیا ہوتا ہے۔ نیند آتی ہے تو کسی کے بنائے کچھ نہیں بنتا۔

ہاضمہ خراب ہونے سے شوکت بیمار ہو گیا۔ بیمار ہو کر خالہ کے گھر پڑا رہا۔ اسے پہلے زکام ہوا، پھر کھانسی کی پھانسی لگی۔ پھر بخار آیا اور دیکھتے دیکھتے اُسے ٹائیفائیڈ ہو گیا۔ وہ تین ہفتہ چار پائی پر پڑا رہا۔ تین ہفتے کے بعد بخار نے پیچھا چھوڑا۔ بخار کے بعد پندرہ بیس دن تک وہ اور بھی اسکول نہ جاسکا۔ اس بیماری

میں وہ قریب ڈیڑھ مہینے غیر حاضر رہا۔ اب وہ جب اسکول گیا تو استاد آگے بہت کچھ پڑھا چکے تھے۔ اس نے اپنے دوستوں سے کہا۔ ”اب کیا کیا جائے۔“ اس کے ساتھی سب بُرے تو تھے ہی، انہوں نے کہا۔ ”غم نہ کرو، امتحان کے موقع پر پہلے تو یہ کوشش کریں گے کہ پرچہ آؤٹ کر لیں، یہ نہ ہو سکا تو مشہور سوالوں کے جوابات گھر سے لکھ کر لے جائیں گے اور ان سے ملا کر جواب لکھ لیں گے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو سکا تو جس کے پاس کاپیاں دیکھنے کے لئے جائیں گی اس کا پتہ لگا لیں گے۔ اس کی خوشامد کر کے نمبر بڑھوا لیں گے۔“

”اور..... اگر نمبر نہ بڑھائے اس نے یا امتحان کے وقت ماسٹر نے نقل کرتے ہوئے دیکھ لیا تو؟“ شوکت نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔

”تو پھر یہ دیکھو، رامپور کا کڑے دار چاقو۔“ جلال نے چاقو شوکت کو

دکھایا، شوکت نے کہا۔ ”ٹھیک ہے۔“

اس کے بعد شوکت نے سال بھر کچھ نہ پڑھا۔ بُرے لڑکوں کے ساتھ

گھومتا پھرتا رہا۔ خالہ جان نے شکایت سنی۔ خالہ نے سمجھایا۔ لیکن شوکت اب بگڑ چکا تھا۔ خالہ نے غصے میں آ کر اس کا جیب خرچ بند کر دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ شوکت نے چھوٹی چھوٹی چوریاں شروع کر دیں۔ اسکول میں کسی کا قلم پار کر دیا۔ کسی کی کتاب اڑادی۔ کسی کی جیب سے رقم غائب کر دی۔ چوری کھلی تو

اسکول سے اس کا نام کٹ گیا۔

اسکول سے نام کٹ جانے سے اس نے اپنی توہین محسوس کی۔ جس ماسٹر نے اس کی رپورٹ کی تھی۔ اس کی تاک میں رہا۔ ایک دن اس نے ایک گلی میں ماسٹر کے چاقو مار دیا۔ بھاگا لیکن پکڑا گیا۔ مقدمہ چلا اور اسے جیل ہو گئی۔ یہ خبر خالہ نے اس کے باپ کو دی۔ بے چارہ باپ دوڑا ہوا آیا۔ لیکن وہ کر ہی کیا سکتا تھا۔ شوکت کو جیل بھگتنا پڑی۔ اور پورا سال اسی طرح برباد ہوا۔ جب وہ جیل سے چھوٹا تو دروازے پر اس کے ابا ملے۔ انھوں نے کہا۔ ”بیٹا! بہت کچھ پڑھ لکھ لیا۔ اب گھر چلو۔“

شوکت سر جھکائے گاؤں پہنچا۔ شرم کے مارے بہت دنوں تک گھر سے نہیں نکلا۔

”ماں باپ اور بھائی نے دیکھا کہ شوکت شرم کے مارے گھر سے نہیں نکلتا تو ایک دن سب بیٹھے۔ باپ نے شوکت کو اس طرح سمجھانا شروع کیا: ”بیٹا! شہر میں تم جس طرح بگڑے، اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ تم تو بڑے اچھے لڑکے تھے۔ کالج کی تعلیم نے تم کو ایسا بنا دیا۔ آج کل کالجوں کے پڑھے ہوئے لڑکے ایسے ہی بنتے ہیں۔ ریل میں ٹکٹ کے بغیر سفر کرنا ان کی عادت ہے۔ پھر اگر کوئی ٹوکے تو اسے پیٹنا ان کا مزاج بن گیا ہے۔ اگر پولیس

روک ٹوک کرے تو ہڑتال کرانا اور توڑ پھوڑ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ امتحانات کے زمانے میں نقل کرنا، امتحانات کی نگرانی کرنے والے کو چاقو مار دینا، استاد کا ادب نہ کرنا یہ سب ان کی گھسی میں پڑا ہے۔ اور بھئی! یہ تو یہ، کالجوں کے ٹیچر کون سے ولی اللہ یاد دیتا ہے، اور پھر آج کل جو کچھ پڑھایا جاتا ہے، اس میں دین و اخلاق کی بات کا پتہ تک نہیں۔ تو پھر ایسے ہی لڑکے پڑھ کر نکلیں گے۔ تو بیٹا! یہ جو کچھ ہوا، تمہارے کئی برس خراب ہوئے تو اس میں اس تعلیم کا زیادہ تر قصور ہے، جس کا تعلق دین و اخلاق سے نہیں..... میرا خیال ہے کہ ابھی تمہاری عمر پڑھنے کی ہے..... تمہارا ذہن بھی اچھا ہے..... تم جب تک یہاں گاؤں میں پڑھتے رہے تو اچھے نمبروں سے پاس ہوتے رہے۔ اگر اب بھی محنت سے پڑھو تو میں ایک ایسا مدرسہ بتاؤں جہاں حساب، جیومیٹری، تاریخ، جغرافیہ، انگریزی اور ہندی وغیرہ تو پڑھائی ہی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام کی تعلیم اور پھر خاص کر عربی کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے اور وہاں کے استاد بھی بڑے دین دار اور بااخلاق ہیں۔ اگر تم آدمی بننا چاہو اور پڑھنا چاہو تو میں تم کو اسی مدرسے میں بھیج دوں۔ خدا کے فضل و کرم سے تمہارے بھائی رحمت کی آمدنی اتنی ہے کہ تمہارے خرچ کے لئے گھر سے مدد مل سکتی ہے۔“

باپ یہ سمجھا کر خاموش ہو گیا۔ ماں اور بھائی نے بھی اسی طرح کہا۔ شوکت

نے سوچا کہ اُسے مدرسے میں چلے جانا چاہئے۔ یہاں رہ کر ہر ایک کے سامنے جھینپنا پڑتا ہے۔ اس مدرسے میں جا کر میں پھر سے نیک بننے کی کوشش کروں گا۔ یہ سوچ کر اس نے باپ سے کہا۔ ”آپ مجھے اسی مدرسے میں بھیج دیجئے۔“

مدرسہ گاؤں سے دو سو میل دور دکن کی طرف تھا۔ باپ ساتھ گیا اور اس مدرسے میں داخل کر دیا اور چلا آیا۔ گاؤں سے رحمت اپنے بھائی کے لئے تیس روپے مہینہ بھیجنے لگا۔ رحمت کی آمدنی اب کئی سو روپے مہینے کی تھی۔ اب وہ ایسا کرتا کہ پورے مہینے کا سودا شہر سے لے آتا اور مہینہ بھر تک سب کو دیتا رہتا۔ وہ سامان جس میں سیکڑوں روپے کی رقم لگتی وہ ضرور ہر پندرہ دن کے بعد لاتا اور اسی طرح کہ لوگ روپیہ جمع کر دیتے۔ رحمت شہر جاتا۔ سب کو لاکر دیتا۔ کرایہ اور اپنا کمیشن لیتا اور ساتھ ہی وہ سامان بھی لے آتا جو اس کا دکان پر ختم ہو چکا ہوتا۔ یہ سب کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بھائی کو تیس روپے مہینہ دے کر رحمت کو خوشی ہی ہوتی اس کے دل میں یہ خیال ہرگز نہ آتا کہ اتنی رقم ہر مہینے دینے سے دکان میں گھانا ہوگا۔ وہ تو یہ سمجھتا تھا کہ اس طرح اور زیادہ برکت ہوگی۔

اب شوکت اسلامی درس گاہ میں پڑھتا رہا۔ اسلامی درس گاہ کے تمام لڑکے اور سارے استاد نمازی تھے۔ وہ صبح سویرے اٹھتے، نماز پڑھتے،

تلاوت قرآن کرتے، پھر ناشتہ کر کے درس گاہ چلے جاتے۔ استاد بھی محنت سے پڑھاتے اور لڑکے بھی شوق سے پڑھتے۔ شوکت بھی انہی کے رنگ میں رنگنے لگا۔ وہ اپنے گاؤں کے مکتب میں پڑھ ہی چکا تھا۔ وہ بہت جلد پھر اچھا بننے لگا۔ اس نے وہ ساری حرکتیں چھوڑ دیں جو اس نے شہر کے اسکول میں سیکھی تھیں۔ وہ محنت سے پڑھنے بھی لگا۔ محنت سے پڑھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پڑھنے میں آگے بڑھنے لگا۔ سہ ماہی کے امتحان میں وہ اچھے نمبر تو نہ پاس کا ہاں تیسرے نمبر میں پاس ضرور ہو گیا۔ چھ ماہی کے امتحان میں وہ دوسرے نمبر پر آیا اور پھر سال بھر بعد وہ دوسرے نمبروں کے لڑکوں میں رہا۔ سالانہ امتحان میں وہ اسی نمبر سے پاس ہوا۔ سال بھر کے بعد وہ گھر آیا تو ماں باپ نے اس کے طور طریقے پھر اسلامی پائے۔ تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اس سال وہ گھر آیا تو اپنے چھوٹے بھائی کے کاموں میں ہاتھ بٹانے لگا۔ اب اسے گھر کا کام کرنے میں شرم نہیں آتی تھی۔ وہ ڈیڑھ مہینہ گھر پر رہا۔ ڈیڑھ مہینے میں دو بار وہ رحمت کے ساتھ شہر گیا۔ اس کے ساتھ سامان وغیرہ خریدا اور ساتھ لے کر آیا۔ اس کے بعد جب دوسرے سال درس گاہ گیا تو اب وہ اوّل نمبر آنے کی سوچنے لگا۔ اب وہ دن رات اسی دھن میں لگا رہتا۔ دوسرے سال سہ ماہی کے امتحان میں اس نے اور زیادہ نمبر حاصل کئے۔ چھ ماہی میں کچھ اور زیادہ اور پھر

سالانہ امتحان میں وہ سارے اسکول میں اوّل آیا۔ اس کے بعد وہ پانچ سال تک درس گاہ میں پڑھتا رہا۔ اور ہمیشہ اوّل آتا رہا۔ سارے اُستاد اُس سے خوش تھے۔ اور وہ اپنی اس تعلیم سے خوش تھا۔ اس پانچ سال کے عرصے میں رحمت تیس روپے مہینہ برابر بھیجتا رہا۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب وہ گھر آیا تو وہ اپنے چھوٹے بھائی سے بہت محبت کرنے لگا تھا۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی رحمت سے کہا۔ ”بھئی! تم بہت محنت کرتے ہو، میں بھی تمہارا ہاتھ بٹاؤں گا۔“ یہ بات شوکت نے ماں باپ کے سامنے کہی تو رحمت نے کہا۔ ”بھائی جان! میں آپ کے بارے میں برابر سوچتا رہا ہوں کہ مولوی بننے کے بعد آپ کو کیا کرنا چاہئے۔ میرے دل میں یہ ارمان ہمیشہ رہا کہ ہمارے گاؤں کا مکتب بھی اب بڑی درس گاہ بن جائے۔ میری آمدنی اب اتنی ہے کہ میں گھر بھر کے کھانے پینے کا بندوبست اچھی طرح کر لوں گا۔ میں سوچتا ہوں کہ آپ مکتب کی تعلیم کو آگے بڑھائیں اور اسے ویسی ہی درس گاہ بنادیں جیسی درس گاہ میں آپ پڑھ کر آئے ہیں۔“

یہ کہہ کر رحمت خاموش ہو گیا۔ ماں باپ بھی خوش ہو گئے۔ شوکت بھی خوش ہوا۔ مگر ایک سوال یہ پیدا ہوا کہ اتنی بڑی درس گاہ کا خرچ کون برداشت کرے۔ زیادہ سے زیادہ ایک مدرس کی تنخواہ اور اکٹھا ہو سکتی ہے۔

اس سوال پر رحمت خاموش ہو گیا۔ اُس نے کہا کہ اچھا اس بارے میں گاؤں

کے سارے لوگوں سے رائے لے لی جائے۔ شاید اللہ تعالیٰ کوئی ایسی صورت نکال دے کہ ہمارے گاؤں کے ہمارے یہیں اونچی سے اونچی تعلیم حاصل کر سکیں۔

شوکت نے بھی اس رائے کو پسند کیا اور ماں باپ بھی۔ اس کے بعد رحمت نے جمعہ کے دن نماز کے بعد سارے گاؤں والوں کو مسجد میں اکٹھا ہونے کے لئے اعلان کر دیا۔ اعلان کرنے کے بعد وہ گاؤں کے لوگوں سے ملتا بھی رہا۔ اور اپنا مطلب کہتا رہا۔ لوگ بھی سوچنے لگے کہ کس طرح بڑی درس گاہ کا انتظام یہاں پر کیا جاسکتا ہے۔

اس جمعہ کو مسجد میں بہت زیادہ نمازی آئے۔ آس پاس کے گاؤں سے بھی لوگ آئے۔ جس وقت شوکت تقریر کرنے کھڑا ہوا اس وقت مسجد بھری ہوئی تھی۔ شوکت نے نماز جمعہ کے بعد تقریر شروع کی۔ پہلے اُس نے قرآن اور حدیث کے حوالے سے یہ بتایا کہ دین کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے۔ پھر ایک حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے کہا کہ چاہے دور دور تک جانا پڑے۔ پھر بھی دین کا علم سیکھنے جانا چاہئے۔ شوکت نے اس بات پر تو بہت ہی زور دیا کہ دین کا علم سیکھے بغیر کوئی مسلمان نہ تو اللہ کی عبادت ہی ٹھیک سے کر سکتا ہے اور نہ لوگوں سے اپنا معاملہ ہی درست رکھ سکتا ہے۔ بلکہ یہ بھی ڈر ہے کہ اس کا عقیدہ بھی صحیح نہ ہو۔ دین کا علم سیکھے بغیر تو وہ بس جیسا جی چاہے گا ویسا کر لے گا۔